حقیقت تصــوف

ڈاکٹر پیر محمد حسن

صوفی کا لفظ سنتے ہی اس لفظ کی ماہیت اور ان لوگــوں کے اعتقادات اور اس مذہب کی بنیاد کے بارے میں ذہن میں سوالات اٹھنے لگ جاتے ہیں - ہر شخص اپنے خیال اور اپنے ذہن کی ساخت کے مطابق اس میں معانی گھسیڑنا چاہتا ہے حالانکہ درست بات لازمی طور پر وہی ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے جو ان کے اپنے لوگ کہیں چنانچہ یہاں ہمیں ابوالقاسم عبدالکریم بن ھـوازن قشیری م۳۶۵ھ جیسی بزرگ ہستی مل جاتی ہے - قشیری صوفی، مفسر، محدث، فقیہ، ادیب اور شاعر سبھی کچھ تھے - انہوں نے اپنے رسالہ میں صوفی اور تصوف کے بارے میں الگ باب باندھا ہے، فرماتے ہیں :

لیس یشھد لھذا الاسم من حیث العربیة قیاس ولا اشتقاق -

(عربی زبان کے اعتبار سے اس نام کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے)

اس کے بعد فرماتے ہیں : والأظھر فیه أنه کاللقب (امر واضح یہی ہے کہ یہ لقب کی طرح ہے) پھر فرماتے ہیں :

أما قول من قال انه من الصوف وتصوف اذا لبس الصوف کما یقال تقمصّ اذا لبس القمیص فذلک وجه (۱) .

جو یہ کہے کہ یہ لفظ صوف سے لیا گیا ہے اور تصوف کے معنی ہیں اس نے صوف پہنا جس طرح تقمّص کے معنی ہیں اس نے قمیص پہنی تو یہ ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ جو دیگر احتمالات پیش کئے جاتے ہیں وہ قشیری کے نزدیک درست نہیں،فرماتے ہیں : جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ صفہ سے نکلا ہے اور صفة سے مراد صفہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو یہ اس لئے درست نہیں کہ صفہ سے اسم نسبت صوفی نہیں آسکتا ۔ یا جن لوگوں نے اسے صفا سے مشتق سمجھا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ صوفی کو صفا سے مشتق سمجھنا عربی زبان کے تقاضوں سے مطابقت نہیں کھاتا ۔ نیز جن لوگوں نے اسے صف سے مشتق سمجھا ہے اور مراد یہ لی ہے کہ اپنے دلوں کے ساتھ باگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے ہوئے یہ صف اول کے لوگ ہیں تو معنی کے اعتبار سے یہ درست ہے مگر عربی لغت کے قوانین کے مطابق صف سے اسم نسبت صوفی نہیں آسکتا ۔

قشیری رحمہ اللہ نے بڑی وضاحت سے اس لفظ کی توجیہ بیان کر دی ہے لہذا اس وضاحت کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنا غلط اور نامناسب ہے۔

مگر ہمارے مہربان مستشرقین اپنی پخ لگائے بغیر نہیں رہتے اور جو زہر ان کے دماغوں میں اسلام اور مسائل اسلام کے خلاف بھری ہوئی ہے اس کا اظہار کرنے سے باز نہیں آتے۔ صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

وعندنا انهـا مشتقة من لفظة يونانية الأصل هى صوفيا ومعناهـا الحكمة (٢) .

(ہمارے نزدیک یہ لفظ ایک یونانی الاصل لفظ سے مشتق ہے اور یہ لفظ صوفیا ہے) جس کے معنی حکمت کے ہیں۔

نولڈ کے (Noldeke) نے بھی تصوف پر ایک مقالہ لکھا ہے جس میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے (۳) راقم کہتا ہے کہ جرجی زیدان کا یہ کہنا کہ یہ یونانی لفظ صوفیا سے لیا گیا ہے غلط ہے کیونکہ عربی زبان کے اصولوں کے مطابق اس لفظ سے اسم نسبت صوفیاوی ہونا چاهیئے نہ کہ صوفی ۔

اب رہا یہ سوال کہ ان صوفیہ کے کیا عقائد ہیں اور ان کے مذہب کی بنیاد کس چیز پر ہے تو یہاں بھی قشیری رحمہ اللہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں ، فرماتے ہیں :

اعلموا رحمكم الله أن شيوخ هذه الطائفة بنوا قواعد أمرهم على اصول صحيحة فى التوحيد صانوا بها عقائدهم من البدع ودانوا بما وجدوا عليه السّلف وأهل السّنة من توحيد ليس فيه تمثيل ولا تعطيل وعرفوا ما هو حق القدم (۴).

تمہیں معلوم ہونا چاهیئے خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے شیوخ نے تصوف کے اصولوں کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے محفوظ رکھا ہے اور ان قواعد کی پیروی کی ہے جن پر انہوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے یعنی ایسی توحید جس میں نہ فرقہ ممثّلہ کی تمثیل پائی جاتی ہے نہ فرقۂ معطلہ کی تعطیل اور انہوں نے قدم یعنی خدائی قدیم کے حق کو پہچانا ہے ۔

صوفیہ کے شیوخ کی لاتعداد ایسی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں جن میں انہوں نے اپنے عقائد اور ان عقائد کی بنیاد کا ذکر کیا ہے ۔ یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

۱ ۔ ابوسلیمان دارانی متوفی ۲۱۵ ھ فرماتے ہیں :

ربما وقع فى قلبى النكتة من نكت القوم اياماً فلا اقبل منه إلا بشاهدين عدلين الكتاب والسنة (۵) ۔

(بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صوفیہ کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی دن تک میرے دل پر وارد ہوتا رہتا ہے مگر میں اسے دو عادل شاہدوں یعنی کتاب وسنت کی تائید کے بغیر قبول نہیں کرتا)۔

۲ ۔ ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی متوفی ۲۴۳ھ فرماتے ہیں:

من صَحّح باطنه بالمراقبة والاخلاص زين الله ظاهره بالمجاهدة واتباع السنة (٦) ـ

۳ ۔ سہل تستری رحمہ اللہ م ۲۸۳ھ فرماتے ہیں :

اصولنا سبعة اشياء التمسک بكتاب والإقتداء بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وأكل الحلال وكف الأذى وإجتناب المعاصى والتوبة و أداء الحقوق (٧) ـ

(ہمارے سات اصول ہیں کتاب اللہ کو مضبوط پکڑنا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا ، حلال کی روزی کھانا، کسی کو دکھ نہ دینا، گناہوں سے پرہیز کرنا ، توبہ کرنا، اور لوگوں کے حقوق ادا کرنا ۔

۴ ۔ ابوالقاسم جنید بن محمد متوفی ۲۹۷ھ فرماتے ہیں :

(أ) علمنا هذا مقيد بالكتاب والسنة (٨) ـ

(ب) من لم يحفظ القرآن ولم يكتب الحديث لا يقتدى به فى هذا الأمر لأن علمنا هذا مقيد بالكتاب والسنة ـ

(جس نے نہ قرآن حفظ کیا ہو نہ حدیث لکھی ہو ، تصوف کے معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ہمارے علم میں کتاب و سنت کی قید پائی جاتی ہے۔

۵ ۔ ابوحمزہ محمد بن ابراهیم بغدادی متوفی ۲۸۹ھ فرماتے ہیں :

من علم طريق الحق سهل عليه سلوكه ولا دليل على الطريق إلى الله إلا متابعة الرسول صلى الله عليه وسلم فى احواله وأفعاله واقواله.

(جس شخص نے طریق حق کو معلوم کر لیا اس کیلئے اس راستہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور اللہ کے راہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور اقوال اور افعال کی تابعداری کئے بغیر کوئی رہنمائی نہیں ہو سکتی) ۔

یہ ہیں وہ بلند اقوال اور پاکیزہ احوال جو ان لوگوں کے طرہ امتیاز ہیں بایں ہمہ لوگ ان پر زبان طعن دراز کرنے میں کوشاں رہتے ہیں سب سے زیادہ ابن عربی متوفی ٦٣٨ھ پر طعن و تشنیع کی گئی ذرا ان کا بھی عقیدہ سن لیجیئے ۔

انہوں نے فتوحات مکیہ کے آخری باب ٥٦٠ میں دو سو کے قریب وصیتیں دی ہیں ایک وصیت میں فرماتے ہیں :

علیک بالإقتداء برسول الله صلی الله علیه وسلم فی أحواله و أقواله و أفعاله إلا ما نص علیه أنه مختص به فیما لا یجوز لنا أن نفعله۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال و افعال کی تابعداری کرنا اپنے اوپر لازم سمجھو سوائے ان امور کے جن کے بارے میں آپ نے وضاحت سے فرما دیا ہے کہ وہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور ہمارے لئے ان کا کرنا جائز نہیں)۔

یہ ہے ان کا مذہب اور یہ ہیں ان کے بنیادی اصول بھلا یہ لوگ ان بلند اصولوں کو چھوڑ کر کہیں اور جا سکتے ہیں یا اغیار کی طرف ان کی توجہ ہو سکتی ہے۔ پھر بھی نکلسن لکھتا ہے۔

(A Literary History of the Arabs: 231)
Accordingly I do not think that we need look beyond Islam for the origin of the Sufi doctrine, although it would be a mistake not to recognise the part which christian influence have had in shaping their early development.

یہاں نکلسن کہہ رہا ہے کہ تصوف کی تعلیمات میں عیسائیت کے اثر کو تسلیم نہ کرنا غلطی ہے اس قول میں نکلسن اپنی اسلام دشمنی کے اظہار سے باز نہیں رہ سکا - یہی حال دیگر مستشرقین کا ہے کیونکہ استشراق کی بنیاد ھی پادریوں نے ڈالی تھی -

سب سے پہلا شخص جسے صوفی لقب دیا گیا ابوھاشم کوفی ھیں ، انہوں نے ١٦٠ ھ کے قریب وفات پائی -

ان کے بارے میں سفیان ثوری م ١٦١ ھ جیسے عظیم المرتبہ محدث فرماتے ھیں

ما زلت ارائی وأنا لا اشعر حتی جالست اباھاشم فاخذت منه ترک الریاء (٩) -

(ایک عرصہ تک میں ریاکاری کرتا رہا اور مجھے اس بات کا احساس ھی نہ ھوا (کہ میں ریاکاری کر رہا ھوں) تا آنکہ میں ابوھاشم کی صحبت میں بیٹھنے لگا تو ان سے میں نے ریاکاری کو ترک کرنا سیکھا) -

ان کے زھد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے شریک قاضی (م ١٧٧ھ) کو یحیی بن خالد برمکی (م ١٩٠ھ) کے گھر سے نکلتے ھوئے دیکھا تو رو پڑے اور فرمایا :

أعوذ بالله من علم لاینفع

صوفیہ نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ھوئے بہت جلد تصانیف کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ سب سے پہلے عبدالله بن مبارک رحمة الله م ١٨١ھ نے کتاب الزھد لکھی - انہوں نے اس میں ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں زھد کی ترغیب پائی جاتی ہے -

اسی طرح ابوعبدالله حارث بن اسد محاربی م ٢٤٣ھ نے کتاب الخلوہ و التنقل فی العبادہ ا التفکر والاعتبار اور الرعایة لحقوق الله لکھی -

مگر یہ کتابیں خاص موضوعوں پر لکھی گئی تھیں۔

پھر وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ایسی کتابیں تالیف کیں جو صوفیہ کے متعدد مسائل پر مشتمل ہوں چنانچہ جس طرح عربی ادب میں چار کتابیں بنیادی تصور کی جاتی ہیں اسی طرح تصوف میں بھی چار کتابوں کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے۔

سب سے پہلے ہم کتاب التعرف کو لیتے ہیں۔

اسکے مصنف ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراهیم بن یعقوب بخاری کلاباذی ہیں۔ کتاب کا نام التعرف لمذهب اهل التصوف ہے۔ کتاب کے نام ہی سے اس کے موضوع کا پتا چل جاتا ہے۔ اسی کتاب پر کلاباذی کی تمامتر شہرت کا مدار ہے۔ کلاباذی نے اس کتاب میں صوفیہ کے عقائد احوال اور بعض اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔

کلاباذی نے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ آربری اس بارے میں خاموشی سے گذر گیا ہے۔ صوفیہ کے اخلاق اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ کسی کا نام لے کر اس کی برائی بیان کی جائے یہی وجہ ہے کہ کلاباذی نے کسی کا صراحة ذکر نہیں کیا مگر کتاب کی بعض عبارتوں پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کلاباذی اهل سنت کا عقیدہ پیش کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ نہ تو معتزلہ کا عقیدہ ہے نہ کرامیہ کا۔ چنانچہ فرماتے ہیں

اجمعوا أن القرآن کلام الله علی الحقیقة ولیس بمخلوق ولا محدث و لاحدث (١٠)

(تمام صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ کا کلام ہے اور یہ کہ قرآن نہ مخلوق ہے نہ محدث نہ حدث۔

کلاباذی نے یہاں قرآن کو مخلوق یا محدث یا حدث کہنے

والوں میں سے کسی کا نام نہیں لیا تعرف کے شارح المستملی البخاری اس قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گفت مخلوق نیست و محدث نیست و حدث نیست امّا مخلوق و محدث معتزله گفتند واما حدث و حادث کرّامیان گفتند چنیں گفتند که ما قرآن را حادث گوئیم و محدث و مخلوق نه گوئیم و قدیم و ازلی هم نگوئیم (۱۱)

یہاں کلاباذی نے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے وضاحت کر دی ہے کہ صوفیہ کا عقیدہ نہ تو معتزلہ کا عقیدہ ہے نہ کرامیہ کا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ کرامیۃ صوفیہ کے بھیس بھیس میں لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے۔

مزید برآں کلاباذی ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور فرائض پر عمل کرنا ایمان کی فرع ہے (۱۲)

اس کے خلاف معتزلہ اور خوارج اعمال کو ایمان کا جز و قرار دیتے ہیں چنانچہ صوفیہ کے نزدیک فاسق مؤمن ہے اور معتزلہ اور خوارج کے نزدیک فاسق مؤمن نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اعمال ایمان کا جز و ہیں اور کرامیّہ کے نزدیک ایمان صرف زبان سے اقرار کر لینے کا نام ہے خواہ دل سے اس کی تصدیق نہ بھی کی جائے لہذا ان کے نزدیک وہ شخص جو دل میں کچھ اور ہی عقیدہ رکھے مگر زبان سے اقرار کرے تو وہ شخص ان کے نزدیک مومن ہے۔

ان دو اندرونی شہادتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کلاباذی اپنی براءت بیان کرنے کیلئے یہ بتا رہے ہیں کہ ان کے عقائد معتزلہ یا کرامیہ یا خوارج کے سے عقائد نہیں اور یہی کتاب لکھنے کی غرض و غایت ہے۔

کلا باذی کی کتاب التعرف کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ شہاب الدین سہروردی مقتول ۵۸۷ھ کو یہ کہنا پڑا لولا التعرف لماعُرف التصوف اسی مقبولیت کی بنا پر اس کتاب کی شرحیں لکھی گئیں ۔

حاجی خلیفہ نے اس کتاب کی چار شرحوں کی نشان دھی کی ہے

۱) خود کلا باذی نے اس کی شرح لکھی جس کا نام حسن التعرف رکھا ۔ مگر آربری نے اسے غلط قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام تو قونوی کی شرح کا ہے۔

۲) عبداللہ بن محمد بن علی الانصاری الھروی المتوفی ۴۸۱ھ نے بھی اس کی شرح لکھی۔

۳) علاؤ الدین علی بن اسماعیل القونوی المتوفی ۷۲۹ نے بھی شرح لکھی۔

۴) اسماعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی المتوفی ۴۳۴ ھ نے بھی شرح لکھی ۔ یہ شرح چھپ چکی ہے اور مستملی نے اس میں بہت مفید باتیں پیش کی ھیں ۔

المستملی کلا باذی کیلئے شیخ کا لفظ استعمال کرتے ھیں جس سے ظاھر ھوتا ہے کہ اس نے کلا باذی سے استفادہ کیا ہے۔

مستملی پہلے اصل عبارت کا فارسی میں ترجمہ پیش کرتے ھیں پھر موقعہ اور محل کے مطابق اس کی شرح بھی کرتے ھیں مگر کئی ایک مقامات پر ترجمہ کی بجائے محض مفہوم دے دیا ہے کلا باذی کی ایک اور تصنیف کا بھی پتا چلتا ہے جس کا نام بحر الفوائد فی معانی الاخبار ہے اس میں کلا باذی نے ۲۲۲ احادیث کی شرح کی ہے۔

مستملی نے کلا باذی کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ھیں (شرح تعرف :۲ :۱٦٦) : باز شیخ رحمۃ اللہ در کتاب کہ آنرا مثل الروح و الجسد و القلب نام کردہ است .

اسی زمانہ میں ابو نصر عبداللہ بن علی بن محمد بن یحیی سرّاج طوسی نے کتاب اللّمع فی التصوف لکھی ابونصر زاھدوں کی اولاد سے تھے فتوت اور صوفیه کی ترجمانی کرتے میں یه اپنے علاقے میں مرجع خلائق تھے انھوں نے مسائل تصوف کی تائید میں شرعی دلائل و برھین پیش کئے ھیں ۔ سرّاج صوفیه کے فقیه مانے جاتے تھے ۔ انھوں نے ۳۷۸ ھ میں وفات پائی ۔

ابوالمحاسن ۸۷۴ھ نے نجوم میں لکھا ہے که سرّاج کی وفات نیشاپور میں نماز کے دوران ھوئی اور انھیں طوس میں دفن کیا گیا۔ (آربری مقدمه تعرف)

ذھبی کے بیان کے مطابق ان کے والد کی وفات سجدے کی حالت میں ھوئی (آربری)

ابونصر نے کتاب اللمع کو نہایت عمده طریقے سے مرتب کیا ہے۔ اس میں انھوں نے نه صرف صوفیه کے اقوال پیش کئے ھیں بلکه ان کے اشعار اور خطوط کے اقتباسات بھی درج کر دئے ھیں ۔

جن لوگوں سے انھوں نے اقوال نقل کئے ھیں ان میں بیشتر اولیائے کبار اور زھاد عِظام ھوئے ھیں اور یه ان کی خوش بختی اور عنداللہ عظیم المرتبت ھونے کا بین ثبوت ہے۔

ابونصر سرّاج کے ایک معاصر ابو طالب محمد بن علی بن عطیه مکی حارثی (متوفی ۳۸٦ھ) نے بھی تصوف پر کتاب لکھی جس کا نام قوت القلوب فی معاملة المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید رکھا ۔ کتاب کا نام سننے سے ھی معلوم ھو جاتا ہے که مصنف اس کتاب میں کس قسم کے مسائل اور مضامین پیش کرنا چاھتا ہے۔

حاجی خلیفه کہتا ہے : دقائق طریقت کے بارے میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی اور اس کا مؤلف علوم صوفیه کی ایسی باتیں پیش

کرتا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے پیش نہیں کیں ۔ اس کتاب کی ۴۸ فصلیں ہیں مثلاً کتاب الزکوۃ،کتاب الصوم،کتاب الحج وغیرہ ۔ رسالہ قشیریہ کے بعض ابواب اور اس کتاب کے بعض ابواب میں مطابقت پائی جاتی ہے۔

ابوطالب کو فقہ اور حدیث میں کامل عبور حاصل تھا ۔ انہوں نے فقہی مسائل کو صوفیوں کے طرز میں پیش کیا ہے اور مسائل تصوف کی دلائل کے ساتھ توضیح کی ہے۔

ابوطالب نے اس کتاب میں روز مرہ کے اس کے اس قدر روزاد درج کر دئے ہیں کہ راقم کے نزدیک اس زمانے میں ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر شیخ امام محمد بن خلف اموی اندلسی متوفی ۴۸۵ ھ نے اس کا اختصار کیا اور اس کا نام الوصول الی الغرض المطلوب من جواہر قُوت القلوب رکھا۔

تصوف کی بنیادی کتابوں میں زمانہ کے اعتبار سے آخری کتاب جو تصوف پر لکھی گئی وہ رسالہ قشیریہ ہے اس کے مؤلف ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) ہیں ۔

قشیری نے رسالہ میں خود ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسے ۴۳۷ھ میں تالیف کیا ۔ انہوں نے اس کتاب کے لکھنے کی وجہ کہیں بیان نہیں کی ۔

سید عطا حسین (مقدمہ شرح گیسو دراز) کا یہ کہنا کہ یہ کتاب باطنیہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی درستِ نہیں کیونکہ باطنیہ نے بہت بعد کے زمانے میں زور پکڑا ۔

اسی طرح آربری کا یہ کہنا (Sufism : 74) کہ یہ کتاب ملامتیہ کے خلاف لکھی گئی درست نہیں اس لئے کہ ملامتیہ کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں آیا نہ اشارةً نہ کنایةً

اس کے برعکس قشیری کی اپنی عبارت جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب معتزلہ اور کرامیہ کے خلاف لکھی گئی ۔

ذھبی نے تذکرۃ الحفَاظ میں قیشری کا ذکر کیا ہے جو اس کے عظیم المرتبت محدث ہونے کی دلیل ہے۔ قشیری مفسر بھی ھیں اور محدث بھی فقیہ بھی ھیں اور ادیب بھی ھیں اور بلند پایہ شاعر بھی انہوں نے رسالہ میں ایک باب حُب کے بارے میں لکھا ہے جس میں انہوں نے لفظ حب کے اشتقاقات کی لغوی تحقیق کی ہے اور ساتھ شعری استشہادات پیش کئے ھیں جس کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قشیری ایک عظیم لغت دان تھے ۔

بلند پایہ مصنفین اپنی تصانیف میں قشیری کے اقوال طور سند پیش کرتے ھیں ۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۳ نے) فتح الباری میں جابجا انھیں بطور سند کے پیش کیا ہے۔

قشیری نے رسالہ میں صوفیہ کے مشہور افراد کا مختصراً ذکر کر دیا ہے اور ان کے احوال و اقوال کا بھی ذکر کیا ہے اور چند اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ اولیاء اللہ کی کرامات کیلئے ایک الگ باب باندھا ہے اور آخر میں شیخ اور مرید کے آداب بیان کر دئے ھیں۔

رسالہ کی قدر و قیمت کے پیش نظر شیخ الاسلام قاضی القُضَاۃ زکریا بن محمد بن احمد انصاری متوفی ۹۲۵ نے اس کی شرح لکھی اور اس شرح پر استاد سید مصطفی عروسی نے حاشیہ لکھا جس کا نام نتائج الأفکار القدسیة فی بیان معانی شرح الرسالة القشیرہ رکھا۔ سید مصطفی عروسی نے یہ حاشیہ ۱۲۷۱ھ میں مکمل کیا ۔

تصوف میں مذکورہ بالا جو کتب لکھی گئیں ان میں شرعی حدود کو مکمل طور پر پیش نظر رکھا گیا اس لئے کہ ان کے مذہب کی بنیاد

ھی کتاب و سنت پر ہے۔ یہ تو وہ امور ھیں جن پر عمل کرنا ھر نیک آدمی نہیں ھر مؤمن پر فرض ہے اھل اللہ اس سے آگے قدم رکھتے ھیں کیونکہ منتھی یہیں تک نہیں ۔ ان کا مطمح نظر اور مقصد اعلی قرب الٰھی ہے اور وہ اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنا چاھتے ھیں لھذا یہ ان تمام منازل کو جن کا ذکر کیا گیا سے گذر کر روحانیت کے باب میں داخل ھو جاتے ھیں ۔ یہ روحانیت ان کی خاص باطنی کیفیت ھوتی ہے جس کے لاتعداد مراحل و مدارج ھیں ۔ اس مقام پر ھر صوفی کی کیفیت اپنے اپنے مرتبہ و مقام و حال کے مطابق ھوتی ہے اس کیفیت کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا اور نہ ھی اھل ظاھر میں اس کیفیت کے سمجھنے کی طاقت ہے۔

شیخ احمد سرھندی المعروف بہ مجد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ نے اس کی صرف جھلک دکھائی ہے جسے میں یہاں پیش کر رھا ھوں تاکہ آپکو کچھ اندازہ ھو جائے کہ ان کے باطن کی کیا کیفیت ھوتی ہے۔

فرماتے ھیں :

وَاعلَمْ أنّ الرّوحَ لماّ فَارَقَ الجَسَدَ بالموت الذی هو قبل الموت وَجَدَ العَارِفُ الوَاصِلُ رُوحَهُ غيرَدَاخِلٍ فی الجَسَد ولا خارجٍ منه ولا مُتَصِل معه ولا مُنفَصِلٍ منه ووَجَدَ اَنّ للروح تعلّقاً مع الجَسَدِ لِصَلاَح الجَسَدِ بل لِغَرَضٍ يَعُود الی الروح كمالُه أيضاً وذلک التعلق هو منشأ الصلاح والخير فی الجَسَدِ ولولا ذلک التعلق لَصَارَ الجسد بِحَذَا فِيرِه شراً ونقصا (۱۳)

(آپ کو معلوم ھونا چاھئیے کہ جب روح اس موت کی وجہ سے جسم سے جدا ھو جاتی ہے جو حقیقی موت سے پہلے ھوتی ہے تو عارف واصل یوں پاتا ہے کہ اس کی روح نہ جسم میں داخل ہے اور نہ جسم سے باھر نہ روح کا جسم سے اتصال ہے

اور نہ اس سے جدا ہے اور یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ جسم کی بہتری کیلئے روح کا جسم سے تعلق ہے بلکہ اس تعلق کی ایک غرض ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس روح کا کمال روح کی طرف عود کر آتا ہے یہی تعلق جسم کی صلاح و خیر کا سبب ہوتا ہے اگر یہ تعلق نہ ہو تو جسم ھمہ تن شر اور نقص بن جائے ۔

حوالہ جات

۱ ـ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ص ۱۲۸

۲ ـ جرجی زیدان ، تاریخ الآداب، اللغة العربیة : ۲: ۳۳۲

۳ ـ نولڈکے (Z.D. M. G (Noldeke جلد ۳۸ صفحہ ۳۵

۴ ـ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ۳

۵ ـ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ، طبع قاھرہ ، ۱۹۳۰ صفحہ ١٦

٦ ـ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ۱۳ ؛ لواقح الانوار : ٦٦

۷ ـ لواقح الانوار ، ٦٦

۸ ـ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ۲۵

۹ ـ صفة الصفوة : ۲ : ۲۷۳

۱۰ ـ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ص ۱۸

۱۱ ـ شرح تعرف ۱ : ۱۵۸

۱۲ ـ التعرف (ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن) : ۱۱۹

۱۳ ـ مبدأ و معاد : ۲۲

★